JOURNAL OF ACADEMIC RESEARCH FOR HUMANITIES
ISSN 2663-192x

ORCID of JARH: https://orcid.org/0009-0000-0723-9485
DOI Number of the Paper: https://zenodo.org/records/17162053
Edition Link: Journal of Academic Research for Humanities JARH, 5(3) Jul-Sep 2025
Link of the Paper: https://jar.bwo-researches.com/index.php/jarh/article/view/563
HJRS Link: Journal of Academic Research for Humanities JARH (HEC-Recognized for 2024-2025)

DIALOGUES IN RESISTANCE: A LITERARY ANALYSIS OF AKBAR ILAH ABADI AND ALLAMA IQBAL CORRESPONDENCE

Author 1:	**MUZAMMIL AMEEN**, Research Scholar, PhD, Department of Iqbal Studies, Faculty of Arts, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur, Punjab, Pakistan, Email: muzammilameen@gmail.com
Corresponding & Author 2:	**MUHAMMAD ASGHAR SIAL**, Assistant Professor, Department of Iqbal Studies, Faculty of Arts, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur, Punjab, Pakistan, Email: muhammadasghar@iub.edu.pk https://orcid.org/0009-0008-2924-0346
Author 3:	**SABA IRUM**, Assistant Professor, Department of Iqbal Studies, Faculty of Arts, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur, Punjab, Pakistan, Email: irumsaba@iub.edu.pk

Paper Information **Abstract**

Citation of the paper:
(JARH) Ameen. M., Sial. M. A., & Irum. S., (2025). Dialogues in Resistance: A Literary Analysis of Akbar Ilah Abadi and Allama Iqbal Correspondence. In *Journal of Academic Research for Humanities, 5(3), 46–54.*

QR Code for the Paper:

Subject Areas for JARH:
1 Humanities
2 Urdu Literature

Timeline of the Paper at JARH:
Received on: 19-06-2025.
Reviews Completed on: 23-08-2025.
Accepted on: 03-09-2025.
Online on: 19-09-2025.

License:
CC BY SA
Creative Commons Attribution-Share Alike 4.0 International License

Recognized for BWO-R:
HJRS HEC Journal Recognition System

Published by BWO Researches INTL:
BWO RESEARCHES (PVT) LTD INTERNATIONAL

DOI Image of the paper:
DOI 10.5281/zenodo.15649213

The correspondence between Akbar Ilah Abadi and Allama Dr. Muhammad Iqbal extends beyond personal communication, functioning as a scholarly dialogue on the intellectual and social challenges confronting the Muslim ummah in colonial India. Akbar Ilah Abadi, through satire and wit, critiqued the erosion of Islamic values under the influence of Western modernity, while Iqbal responded with philosophical reflections rooted in KHUDI (selfhood), IJTIHAD (independent reasoning), and spiritual renewal. Although their literary styles differed Akbar's sharp humour contrasting with Iqbal's visionary rhetoric, their letters reveal mutual respect, tolerance of intellectual diversity, and a shared commitment to the reform and awakening of Muslim society. This study employs close reading and postcolonial literary analysis to examine the intertextuality, metaphorical language, rhetorical strategies, and socio-political insights embedded in these letters. It argues that the correspondence is not only historically significant but also analytically relevant for contemporary debates on Islamic identity, modernity, and cultural resistance. By highlighting the complementary nature of their worldviews, the paper situates the Akbar Iqbal dialogue within a vibrant tradition of Urdu prose that integrates aesthetics with ideology and personal conviction with collective responsibility, offering enduring lessons for present-day intellectual engagement in Muslim societies. Keywords: Akbar Ilah Abadi, Allama Iqbal, Urdu Correspondence, Islamic Identity, Satire and Philosophy, Postcolonial Discourse. Keywords: Akbar Ilah Abadi, Allama Iqbal, Urdu Correspondence, Islamic Identity, Satire and Philosophy, Postcolonial Discourse.

تحقیقی انفرادیت وجدت

اس تحقیقی مضمون میں ہندوستانی منظر نامے کو عہدِ اکبرؔ الہٰ آبادی اور علامہ اقبالؔ میں ادبی تخلیقی مزاحمت، اور مراسلت کے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس موضوع کے فکری زاویوں کو نو آبادیات کے تحت بھی دیکھا گیا ہے۔ اس کے نتائج کو عہدِ حاضر کے پیش نظر طنزیہ و اصلاحی اسلوب کے اطلاق کے طور پر پیش کیا گیا ہے تاکہ تخلیق کار نامساعد حالات میں ثقافتی و قومی اقدار کے تحفظ کے لیے اپنے قلم اور نجی مراسلت میں کس طرح استعمال سکتے ہیں۔

طریقِ تحقیق:

ہر ادبی تحقیقی مضمون کی طرح اس میں معیاری و غیر مقداری طریقِ تحقیق کو استعمال کیا ہے۔ اس لحاظ سے ادبی متون کا نہایت باریک بینی سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ موضوعاتی و تقابلی تجزیے کو پیش کیا گیا ہے۔

مراسلت تحقیق ادب کا ایک ایسا اہم ماخذ ہوتا ہے۔ جس میں براہ راست خیالات کی ترسیل، ذاتی اور غیر رسمی انداز میں ہوتی ہے۔ جو اکثر و بیشتر اسلوبیاتی اور فکری گہرائی لیے ہوتا ہے۔ ہندوستانی پس منظر میں اکبرؔ الہٰ آبادی اور علامہ اقبالؔ کے مراسلت میں ادبی سلوب، طنز و مزاح اور فکری تجزیہ ایک منفرد نقطہ نظر سے سامنے آتا ہے۔ ان دونوں تخلیق کاروں کے خطوط میں اُردو ادب کے مزاح، ادبی اصطلاحات، تہذیبی کشمکش اور مسلم تشخص کی بقا کی جھلک واضح طور پر پائی جاتی ہے۔ ان مکتوبات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا تعلق رسمی نہیں تھا، بلکہ قلبی اور فکری سطح پر قائم تھا۔

اکبرؔ الہٰ آبادی برطانوی ہندوستان کے اس دور کے نمائندہ شاعر تھے۔ جب مغربی تہذیب عین اپنے عروج پر تھی اور مشرقی اقدار زوال کا شکار ہو چکی تھیں۔ اکبرؔ نے اپنی شاعری اور خطوط نگاری کے ذریعے سے اس تہذیبی کشمکش کو طنز و مزاح اور فکری تجزیہ کے انداز میں اس طرح پیش کیا کہ یہ واضح طور پر دکھائی دینے لگی۔ دوسری طرف علامہ اقبالؔ نے شاعری خطبات اور فلسفہ کو قومی اور فکری بیداری کا ذریعہ بنایا۔ ان کے یہاں عقل اور وجدان، تجدید اور روایت، جدیدیت اور اسلام کے مابین توازن پایا جاتا ہے۔ اکبرؔ اور اقبالؔ کے تعلقات کا اندازہ اس چیز سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اقبالؔ کی ابتدائی شاعری میں اکبرؔ کی تہذیبی اقدار کے تحفظ اور طنز و مذاح کی گونج موجود ہے، اکبرؔ الہٰ بادی نے اقبالؔ کی شاعری کو ابتدائی طور پر محض روایتی سمجھا مگر جلد ہی ان کے فکری ارتقاء کو پہچان لیا۔

اقبالؔ نے بھی اکبرؔ الہٰ آبادی کی بصیرت اور اسلوب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ گو کہ ان دونوں کے اسلوب میں خاصہ فرق بھی تھا۔ مگر بغور دیکھا جائے تو اکبرؔ کا اسلوب طنزیہ، علامتی اور تہذیبی مایوسی سے بھرا ہوا تھا، جبکہ اقبالؔ کا اسلوب امید افزا، اصلاحی اور فلسفیانہ مزاج رکھتا تھا۔ اسی فرق کو خطوط میں واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جہاں اکبرؔ طنز کے پردے میں بات کرتے نظر آتے ہیں، وہاں اقبالؔ دلیل و فلسفہ سے

تعارفی پس منظر:

اکبرؔ الہٰ آبادی (1846ء-1921ء) اور علامہ محمد اقبالؔ (1877ء-1938ء) دو ایسی عظیم ہستیاں ہیں۔ جنھوں نے فکر و فلسفہ، اُردو ادب اور تہذیب و سیاست پر بہت گہرے نقوش چھوڑے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ قومی تشخص کے لیے مزاحمتی کردار ادا کرنے والے دونوں عظیم مفکرین کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی وہ محض دو ادیبوں کی نجی بات چیت بالکل نہ تھی، بلکہ دور زوال میں امت مسلمہ کے تہذیبی، تعلیمی، سیاسی اور فکری مسائل کی گونج ان مکتوبات میں سنائی دیتی ہے۔ یہ مکتوبات دراصل ایک فکری مکالمہ تھے۔ جو سیاست، مذہب، ادب اور معاشرت پر بہت گہرے اثر انداز ہوئے ہر چند انہوں نے اقتدار کی بقا کے لیے اور قومی شناخت کے لیے اپنی شاعری کو پیش کیا، لیکن دونوں تقسیم ہندوستان سے قبل ہی اس دار فانی سے رخصت فرما گئے۔ انہوں نے اپنے کلام اور مراسلت میں مزاحمتی کردار کو قائم رکھا اور قومی تشکیل میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اقبالؔ اکبرؔ الہٰ آبادی کو اپنا پیر و مرشد اور بزرگ تصور کرتے تھے۔ اکبرؔ الہٰ آبادی تنقیدی شعور کے حامل جدید تعلیم و تہذیب کے ناقد اور مزاح نگار تھے۔ جبکہ اقبالؔ فلسفی، ملت اسلامیہ کے احیاء کے داعی، مفکر اور شاعر مشرق تھے۔ دونوں نے مغربی اثرات کے تناظر میں مسلمانوں کی فکری بیداری کے مختلف انداز اپنائے۔ مگر ان کا نقطہ نظریہ ایک تھا ان خطوط میں فطری اور فکری اختلاف بھی نظر آتا ہے اور تہذیبی اشتراک بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مراسلت پر ادبی تنقید کے اصولوں سے جائزہ لینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مقاصدِ تحقیق:

1. اُردو ادب میں مراسلت کی اہمیت کا جائزہ لینا
2. اکبرؔ الہٰ آبادی کی ادبی بصیرت کا جائزہ لینا
3. علامہ اقبالؔ کی فلسفیانہ ادبی مزاحمت کا کھوج لگانا
4. دونوں تخلیق کاروں کے اسلوبِ نگارش کا تقابلی جائزہ لینا
5. ہندوستانی تاریخ میں نو آبادیاتی اثرات اور ادبی مزاحمت کا تجزیہ پیش کرنا

تحقیقی سوالات

1. اکبرؔ الہٰ آبادی اور علامہ اقبالؔ کی مراسلت میں استعماریت کا بیان کیا تھا؟
2. ایک کے طنزیہ اور دوسرے کے سنجیدہ اسلوبِ نگارش میں ادبی ہم آہنگی و تضاد کس حد تک تھا؟
3. دونوں کی مراسلت میں احترام، باہمی تعاون اور قومی تشخص کی بقا کا جذبہ کس طرح دیکھا جاسکتا ہے؟
4. ایسی مزاحمت کس طرح ثقافتی اور مذہبی موضوعات کا ادبی و تخلیقی منظرنامہ پیش کرتی ہے؟
5. ایسا مکالمہ دورِ حاضر کی اسلامی فکر میں کس طرح بصیرت افروز ہو سکتا ہے؟

بھی اپنے اس رویے کا احساس ہے اور اس کا سبب بتاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ "آپ نے محبت وارادت کا اظہار کرکے مجھ کو دلیر کر دیا ورنہ میرا ایسا کہنا بدتہذیبی ہے۔"

علامہ محمد اقبال ایک بزرگ کے لیے دلی جذبات کا اظہار 6 اکتوبر 1911ء کے مکتوب میں اس طرح کرتے ہیں: "میں آپ کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس نگاہ سے کوئی مرید اپنے پیر کو دیکھتا ہے اور وہی محبت وعقیدت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے کہ مجھے آپ سے شرفِ نیاز حاصل ہو اور میں اپنے دل کو چیر کر آپ کے سامنے رکھ دوں"۔(سید مظفر حسین برنی،2016ء،ص226-227)

علامہ اقبال اتنی عقیدت سے محبت والفت کا جس شخصیت کے بارے میں اظہار کر رہے ہیں وہ اکبر الٰہ آبادی تھے۔ اکبر اس دنیا میں اقبال سے تقریباً30 برس قبل آئے تھے اکبر الٰہ آبادی اور اقبال کے درمیان تقریباً10/11 برس تک نہایت سبک رفتاری کے ساتھ مراسلت جاری رہی ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کو اکبر الٰہ آبادی سے کس قدر محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ جبکہ اکبر الٰہ آبادی اقبال کے لیے شفقت اور دلی محبت وانبساط کا اظہار فرماتے تھے۔ اکبر الٰہ آبادی کی نگاہ دوربین نے پہچان لیا کہ اقبال کی صورت وہ آفتاب روشن ہے جو آسمان علم وادب پر جگمگا رہا ہے اور اس کی کرنیں نہ صرف مسلمانانِ پاک وہند بلکہ امت مسلمہ کو تاریکی ومایوسی سے بھی ضرور نجات دلائیں گی۔

9 نومبر 1911 میں ایک اور خط میں اقبال نے جنابِ اکبر کو لکھا کہ: "آپ کے خطوط جو میرے پاس محفوظ ہیں بار بار پڑھتا ہوں اور تنہائی میں یہی خاموش کاغذ میرے ندیم ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں استدعا کروں کہ خط ذرا لمبا لکھا کیجئے مگر میں خود لمبا خط لکھنے سے گھبراتا ہوں۔ پھر میرا کوئی حق نہیں کہ آپ کو لمبا خط لکھنے کی زحمت دوں یہ ایک قسم کی روحانی خود غرضی ہوگی جس کا ارتکاب میرے نزدیک گناہ ہے۔ آپ کی ملاقات کے لیے دل تڑپ رہا ہے خدا جلد کوئی سامان پیدا کرے"(سید مظفر حسین برنی،2016ء،ص232)

اگر دیکھا جائے تو اس خط سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اقبال تنہائی میں بھی اکبر الٰہ آبادی کے خطوط کو محفوظ رکھتے ہیں اور بار بار پڑھتے ہیں اور یہی ان کے لیے ایک مشعل راہ ہے اور ان سے مؤدبانہ التماس بھی کرتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ مجھے لمبا خط لکھا کریں اکبر الٰہ آبادی کے درمیان تعلق کو واضح کر دیتا ہے۔ یہ کس قدر محبت وعقیدت تھی جس کی مثال نہیں ملتی۔

اکبر الٰہ آبادی علامہ اقبال کو مخاطب کرکے کہ اس ہنگامے میں ہیدا ہونے والی بحث کے بارے جو مسلمانوں کو گزشتہ پالیسی ترک کرنے کے متعلق تھی سمجھایا کرتے تھے کہ اس کے بارے میں غیر معمولی اور شدید انقلاب نہ پیدا کیا تو مغربی دانشمند خاموش ہو گا لیکن وہ نہایت ہی زبردست پالیسی کرکے مذاق ہی میں ہم کو بیگانہ کردے گی اور اس میں وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ تصادم دونوں صاحبوں کو دانشمند بنا دے گا اگر ہم نہ بنے تو پھر ہم پر افسوس ہے یعنی علامہ اقبال کو اکبر الٰہ آبادی موجودہ حالات کے اپنی بات کو واضح کرتے ہیں۔ اکبر اقبال کے درمیان خطوط 1910ء اور 1921ء کے درمیان لکھے گئے ان مکتوبات کے منظر عام پر لانے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر الٰہ آبادی اور شاعر مشرق کو پردہ سے باہر نہ نکالتے تو عام لوگوں کو بالکل ہی معلوم نہ پڑتا کہ برصغیر کی دو عظیم ہستیاں ایسی تھیں۔ جو ایک دوسرے سے کس درجہ تک احترام کی رشتے میں منسلک تھیں۔

علامہ اقبال اور اکبر کی تین ملاقاتیں ہوئیں۔ ان کی پہلی ملاقات جنوری 1913ء میں ہوئی جب اقبال اکبر سے ملنے کے لیے الٰہ آباد گئے یہ ملاقات چند گھنٹوں کی ہی تھی جسے اکبر نے "کرم اور نیک ولی" قرار دیتے ہوئے کہا: "ڈاکٹر اقبال صاحب بالحاظ جملہ حالات کے اس وقت اس حلقے میں آیات الٰہی میں سے ہیں۔" اور اسی سال اقبال اکبر الٰہ آبادی سے ملنے کے لیے ایک بار الٰہ آباد گئے۔ 7 ستمبر 1913ء کو یہ دوسری ملاقات الٰہ آباد میں ہوئی اقبال نے ایک خط میں اس ملاقات کا حال بتاتے ہوئے "دو روز اکبر الٰہ آبادی کی خدمت میں "رہنے" کا ذکر کیا ہے، اور اسی ملاقات میں رات کے کھانے کے بعد علامہ اقبال سے شکوہ اور جواب شکوہ کے چند اشعار بھی سنے گئے۔ اکبر الٰہ آبادی نے اس ملاقات کا ذکر عبدالماجد دریا آبادی کے نام خط میں بھی کیا ہے۔ "ڈاکٹر اقبال صاحب جو مجھ سے ملنے کے لیے تشریف لائے تھے، دہلی گئے۔" تیسری اور آخری ملاقات 29 فروری 1920ء کو قبال کسی مقدمہ میں ضلع "گیا" (ریاست بہار کا ایک ضلع) گئے تھے وہاں سے واپسی پر اکبر سے ملنے کے لیے الٰہ آباد رکے اور تین روز تک اکبر الٰہ آبادی کے فیض سے مستفید ہوتے رہے۔ اکبر سے اقبال نے کہا "آپ کے ساتھ رہتا تو ایک مجموعہ مرتب کرتا۔" اور واپس آنے کے بعد اقبال نے اکبر الٰہ آبادی کو لاہور آنے کی دعوت بھی دی مگر اقبال کی دلی خواہش کے مطابق اکبر الٰہ آبادی لاہور نہ سکے اور وقت کے دو نابغوں کی یہ ملاقات آخری ثابت ہوئی۔

ڈاکٹر زاہد منیر نے اکبر بنام اقبال: ایک صدی کے بعد 133 غیر مطبوعہ خطوط کی دریافت کیے جو کہ لاہور: پنجاب یونیورسٹی، قائداعظم کیمپس، 2024ء میں شائع ہوئے بعد میں یہ کتاب قلم فاؤنڈیشن لاہور سے 2025ء میں شائع ہوئی جو کہ دو عظیم ہستیوں کے درمیان ہونے والی مراسلت کو ایک جگہ جمع کرکے ان کی اہمیت کو مسلم کر دیا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی کے مابین تعلق اخلاص پر استوار تھا اس لیے باہمی احترام ومحبت اور صادق خیالات ایک دوسرے سے اظہار میں رکاوٹ نہیں بنتے تھے۔ جہاں اختلاف ہوتا تھا دونوں جانب سے اس کا اظہار کیا جاتا تھا، اور یہ اظہار کسی بھی طرح باہمی تعلق میں آئینے میں بل کبھی نہیں آنے دیتا تھا۔ اکبر کی شخصیت اور ان کے خطوط کے مطالعہ اور عمومی مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "ہمہ راخوبی یاد کردن" کے طریقے پر عمل کرتے تھے۔ ایک طرف وہ اپنے خوردوں کی خوبیوں کا اعتراف بھی فراخ دلی سے کرتے تھے۔ مغربی تہذیب کا یہ بہت بڑا نقاد اپنے دوستوں کے معاملے میں خردہ گیری نہیں کرتا۔ ان کی خوبیاں ہی اس کے پیش نظر رہتی ہیں لیکن اقبال کے بارے میں ایسے عالی خیالات رکھنے کے باوجود وہ اقبال پر تنقید کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ انہیں خود

طرف سے اپنے شکست کا اعتراف ہے۔ مجد دالف ثانی، عالمگیر مولانا اسماعیل شہید نے اسلامی سیرت کی آیات کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ مگر صوفیہ کی کثرت اور صدیوں سے جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت محض خدا پر بھروسہ ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں قوت عمل مفقود ہے۔ ہاں آرزو رہتی ہے کوئی قابل نوجوان جو ذوق خدا کے ساتھ قوت عمل بھی رکھتا ہو مل جائے کیونکہ وہ علامہ اقبال کو لاہور کی انجمنوں اور محفلوں میں کبھی نہیں ملا۔ اس لیے علامہ اقبال اپنے دل کا حال صرف اکبر آلہٰ آبادی سے بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنا دکھڑا صرف آپ کو سناتا ہوں۔

علامہ اقبال اکبر آلہٰ آبادی کے نام خط میں 27 جنوری 1916ء کو لکھتے ہیں: "ان شاءاللہ اختلاف رائے کا اثر پرائیویٹ تعلقات پر نہ ہو گا۔ میں نے تو صرف ایک دو خط شائع کیے تھے اور وہ بھی اس وقت جب خواجہ حسن نظامی نے خود مضامین لکھے اور اپنے احباب سے لکھوائے۔ ان مضامین کی مجھے کوئی شکایت نہیں شکوہ صرف اس امر کا تھا کہ پرائیویٹ خطوں میں تو وہ مجھے لکھتے تھے اور لکھتے ہیں کہ تمہاری نیت پر کوئی حملہ نہیں۔ لیکن اخباروں میں اس کے برعکس لکھتے ہیں۔ میں نے خود خواجہ حسن نظامی سے اس امر کی شکایت کی تھی اور نہایت صاف باطنی کے ساتھ لکھا تھا کہ آپ میرے ساتھ ناانصافی نہ کریں۔ علمی بحث ہونی چاہیے۔ حریف کو بدنام کرنا مقصود نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کو قائل کرنا اور راہ راست پر لانا۔" (سید مظفر حسین برنی، 2016ء، ص 461)

اس خط میں اقبال خواجہ حسن نظامی کے بارے میں اکبر آلہٰ آبادی سے ذکر کرتے ہیں کہ وہ صوفی ضرور ہیں مگر تصوف کی تاریخ و ادبیات و علم القرآن سے واقفیت نہیں رکھتے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ تصوف پر لکھا اس کو شائع کر دینے کا قصد بھی کر لیا ہے یہ خط وہ ہے جس میں خواجہ حسن نظامی نے جب علامہ اقبال کے بارے میں اخبارات میں مضامین لکھے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اکبر آلہٰ آبادی کو اپنا حال دل بیان کیا۔ چونکہ وہ ان کو اپنا پیر و مرشد مانتے تھے اس لیے اپنا حال دل اور دکھڑا انہی کو بیان کیا کرتے تھے۔

ادبی اسلوب: اکبر کی طنزیہ بصیرت و شگفتگی اور اقبال کی حکیمانہ فراست

اکبر آلہٰ آبادی کے خطوط میں استعارہ، طنز و مزاح اور رمزیت کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے وہ بات کو براہ راست کہنے کے بجائے مزاحیہ، طنزیہ اور غیر متوقع اسلوب میں پیش کرتے ہیں جیسے اکبر آلہٰ آبادی اقبال کے فکری اسلوب پر شگفتگی سے تبصرہ کیا کرتے تھے ان کو اقبال کا ایک مصرع بے حد پسند تھا" ع عشق ہے مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی" وہ کہا کرتے تھے کہ ایک جہانِ معنی اس مصرعے کے اندر آباد ہے۔ اکبر آلہٰ آبادی علامہ اقبال سے کتنی شگفتگی سے تبصرہ کیا کرتے تھے ان کے شعر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کے اشعار کی لذت اب تک میں محسوس کر رہا ہوں۔ جب بھی یہ مصرع پڑھتا ہوں تو آپ کے اشعار کی لذت مجھے محسوس ہوتی ہے اس میں ایک جہاں معنی آباد ہے جو کہ صرف سمجھنے والوں کے لیے ہے۔

بارے میں یاد دہانی کراتے ہیں کہ جو حالات حاضرہ چل رہے ہیں ان کے بارے میں مصالحت کی جائے مسلمانوں کو یکجا ہو کر مغربی دانشمندانوں کو خاموش کروانا چاہیے اور گزشتہ پالیسی کو کسی صورت بھی ترک نہ کیا۔

علامہ اقبال اکبر الہٰ آبادی کو 16 جولائی 1914ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ: " حضرت! میں آپ کو اپنا پیر مرشد تصور کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص میری مذمت کرے جس کا مقصد آپ کی مدح سرائی ہو تو مجھے اس کا مطلق رنج نہیں بلکہ خوشی ہے۔ جب آپ سے ملاقات اور خط و کتابت نہ تھی۔ اس وقت بھی میری ارادت و عقیدت ایسی ہی تھی جیسی اب ہے اور انشاءاللہ جب تک زندہ ہوں ایسے ہی رہے گی۔" (سید مظفر حسین برنی، 2016ء، ص 294-297)

اس خط سے اقبال کی اکبر آلہٰ آبادی سے دلی محبت اور تعلق ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کو اپنا پیر و مرشد مانتے تھے اور اس بات میں بھی ان کو کوئی رنج نہیں تھا، بلکہ خوشی تھی کہ لوگ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اقبال پوچ گو ہے تو اس کا اثر ان پر نہیں ہوتا کیونکہ شاعری سے ان کا مقصد حصول دولت و جاہ نہیں محض اظہار عقیدت ہے۔

18 اکتوبر 1915ء کو علامہ اقبال اکبر آلہٰ آبادی کے نام نہایت ادب سے لکھتے ہیں: " آپ کے خطوط سے مجھے نہایت فائدہ ہوتا ہے اور مزید غور و فکر کی راہ کھلتی ہے۔ اسی واسطے میں ان خطوط کو محفوظ رکھتا ہوں کہ یہ تحریریں نہایت بیش قیمت ہیں اور بہت لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہے۔ واعظ قرآن بننے کی اہلیت تو مجھ میں نہیں ہے۔ ہاں اس مطالعہ سے اپنا اطمینان خاطر روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔ گو عملی حالت کے اعتبار سے بہت سست عنصر واقع ہوا ہوں آپ دعا فرمائیں۔" (سید مظفر حسین برنی، 2016ء، ص 417)

علامہ اقبال کے اکبر آلہٰ آبادی کے ساتھ سامنے آنے والے اسالیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال ان کو اپنا پیش رو سمجھتے تھے اور ان کی تحریروں سے کس قدر فائدے حاصل کرتے تھے اور ان کی تحریروں کو سنبھال کر رکھتے تھے اور تنہائی میں بھی ان کے خطوط کو علامہ اقبال بار بار پڑھتے تھے یہی محبت اور شفقت ان دو نابغوں کے درمیان گہرے تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔

علامہ محمد اقبال اکبر آلہٰ آبادی کے نام 25 اکتوبر 1915ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں: " کبھی موقع ہوتا ہے تو دل کا دکھڑا آپ کے پاس روتا ہوں۔ یہاں لاہور میں ضروریات اسلامی سے ایک متنفس بھی آگاہ نہیں۔ یہاں انجمن اور کالج اور فکر مناصب کے سوا اور کچھ نہیں۔ پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہو گیا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے کوئی خاص مدد نہ کی تو آئندہ 20 سال نہایت خطرناک نظر آتے ہیں۔ صوفیا کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔" (سید مظفر حسین برنی، 2016ء، ص 421)

علامہ اقبال کے نزدیک صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لیے جنگ جاری رہی ہے جس میں آخر کار صوفیا ہی غالب آئے ہیں۔ اب برائے نام علماء باقی رہ گئے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی خانوادے سے بیعت ہو کر ہر دل عزیز ہو جاتے ہے۔ یہ روش گویا علما کی

پاتے ہیں۔

اکبرؔ الہٰ آبادی نے تہذیبی زوال اور مغربی اثرات پر طنز کرتے ہوئے ایک خط میں کہا: "ہم تو اس زمانے کے لوگ ہیں جن کی تہذیب اب اخبار کے اشتہار میں دفن ہو چکی ہے۔" (رشید احمد صدیقی، 1965ء، ص60)

اقبالؔ نے اکبرؔ کے تہذیبی زوال پر طنز کے جواب میں نہایت امید افزا انداز میں فرمایا: "تہذیب مرتی نہیں، بس سو جاتی ہے۔ اسے جگانے کے لیے نئی فکر، نئی روح اور نیا ولولہ درکار ہے۔" (سید نذیر نیازی، 2004ء، ص112)

یہ جملے نہ صرف ادبی انداز میں گہرائی رکھتے ہیں بلکہ ایک قوم کے اجتماعی شعور کو بھی بیدار کرتے ہیں۔ اکبرؔ کی مایوسی میں سچائی ہے اور اقبالؔ کی امید میں جدوجہد کا پیغام۔

خودی کا تصور: اختلاف یا تکمیل؟

اقبالؔ کے فلسفہ خودی پر اکبر کی رائے نہایت محتاط اور قدرِ تنقیدی تھی۔ اکبر کو خوف تھا کہیں "خودی" کا نعرہ مسلمانوں کو خود غرضی اور فرضیت کی طرف نہ لے جائے اقبالؔ کے نزدیک خودی، خود شناسی، ایمان اور اخلاقی بنیاد تھی۔ ان کے نزدیک خودی وہ قوت ہے۔ جو مسلمانوں کو دوبارہ عروج کی طرف لے جا سکتی ہے کیونکہ یہ اپنے آپ کو پہچاننے کا نام ہے۔

اکبرؔ الہٰ آبادی نے اقبالؔ کی فکرِ خودی پر سوال اٹھاتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھا: "خودی کا درس اچھی بات ہے، مگر کیا یہ خودی ہماری بندگی سے متصادم تو نہیں؟" (رشید احمد صدیقی، 1965ء، ص55)

یہ سوال اکبرؔ الہٰ آبادی کی اس فکری جھجک کو ظاہر کرتا ہے جو مغربی تعلیم، مذہبی ہم آہنگی اور فردیت کے درمیان توازن کی متلاشی تھی۔" علامہ محمد اقبالؔ، اکبر الہٰ آبادی کے نام 20 جولائی 1918 کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "میں اس خودی کا حامی ہوں جو سچی بیخودی سے پیدا ہوتی ہے یعنی جو نتیجہ ہے ہجرت الی الحق کرنے کا اور جو باطل کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے۔

بندہ حق پیش مولا لاستے

پیش باطل از نعم بر جاستے" (سید مظفر حسین برنی، 2016ء، ص769)

یہ بیان اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اقبالؔ کے نزدیک خودی کا اصل مطلب سرکشی نہیں، بلکہ اطاعتِ ربّانی اور روحانی ارتقاء ہے۔ خودی کے متعلق اکبر الہٰ آبادی کے سوال اور علامہ اقبالؔ کے جواب میں گہری فکری بصیرت نظر آتی ہے بلکہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ دونوں بزرگ محض ادیب نہیں بلکہ تہذیب کے فکری معمار بھی تھے۔ اس اختلاف میں احترام بھی ہے اور علمی مکالمہ بھی۔

مزاح اور فلسفہ: دو متضاد اسالیب کا امتزاج

اکبرؔ الہٰ آبادی کا طنز حقیقت میں ہمیشہ درد سے بھرا جبکہ اقبالؔ کا فلسفہ امت مسلمہ کی بیداری کا سبب رہا۔ مراسلت میں ان دونوں اسالیب کی باہم آمیختگی واضح

علامہ اقبالؔ نہایت سنجیدگی سے اپنے ایک مکتوب 16 جولائی 1914ء میں نہایت مؤدبانہ انداز میں لکھتے ہیں: "عام لوگ شاعرانہ انداز سے بے خبر ہوتے ہیں ان کو کیا معلوم کہ کسی شاعر کی داد دینے کا بہترین طریق یہ ہے، کہ اگر داد دینے والا شاعر ہو تو جس کو داد دینا مقصود ہو اس کے رنگ میں شعر لکھے یا با الفاظ دیگر اس کا تتبع کر کے اس کی فوقیت کا اعتراف کرے۔ میں نے بھی اس خیال سے چند اشعار آپ کے رنگ میں لکھے ہیں۔"((سید مظفر حسین برنی، 2016ء، ص297)

اس مکتوب سے علامہ محمد اقبالؔ کا اکبرؔ الہٰ آبادی سے گہرا تعلق ظاہر ہوتا ہے اور یہ بھی واضح طور پر نظر آتا ہے کہ علامہ محمد اقبالؔ، اکبرؔ الہٰ آبادی کے رنگ میں شاعری کیا کرتے تھے اور ان کو داد دینے کا یہ بہترین طریقہ سمجھتے تھے کہ شاعر کو اگر کسی کو داد دینی ہے تو اسی کی انداز میں شاعری کرے۔ یہ خطوط دراصل دو اسالیب کی جنگ نہیں بلکہ فکری گفت و شنید ہیں۔ دونوں اپنے اپنے انداز میں ایک دوسرے کو قبول بھی کرتے ہیں اور رد بھی کرتے ہیں۔ اکبرؔ کی طنزیہ بصیرت، شگفتگی اور اقبالؔ کی فراست اُردو نثر کے لیے بے مثال خزانہ فراہم کرتے ہیں

تعلیمی اصلاحات اور مغربی نظام تعلیم پر تبادلہ خیال

اکبر الہٰ آبادی مغربی تعلیم کے حق میں نہیں تھے، بلکہ ہمیشہ اس کو شک کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نظام تعلیم مسلمانوں کو دین، خودی اور تہذیب سے محروم کر رہا تھا۔ اقبالؔ نے بھی مغربی تعلیم پر تنقید کی مگر ان کا مؤقف یہ تھا کہ مغرب سے صرف اس کا علم لیا جائے اور روح نہ لی جائے صرف اس سے استفادہ، علم کی حد تک کیا جائے۔

اکبرؔ الہٰ آبادی، مغربی تعلیم کے اثرات پر ایک مکتوب میں لکھتے ہیں": فرنگی تعلیم تو اس بلا کا نام ہے جو نہ آدمی کو مولوی رکھتی ہے نہ انسان بننے دیتی ہے۔" (رشید احمد صدیقی، 1965، ص55)

علامہ اقبالؔ نے مغربی تعلیم کے بارے میں اکبرؔ کے طنز کا جواب نہایت حکمت و بصیرت سے دیا" : مغربی تعلیم سے فائدہ تبھی ہو گا جب ہم اپنی اقدار کو بنیاد بنائیں، ورنہ یہ علم ایک زہر ہے جو میٹھے شربت میں گھولا گیا ہے۔" (سید نذیر نیازی، 2004ء، ص112)

ان دونوں مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبالؔ اکبر الہٰ آبادی مغرب کی اندھی تقلید کے مخالف تھے۔ لیکن دونوں کے نقطہ نظر میں یہ فرق تھا کہ اکبر زیادہ تہذیبی اور جذباتی سطح پر تنقید کرتے تھے۔ جبکہ اقبالؔ ایک فلسفیانہ عملی مؤقف رکھتے تھے۔ ادبی تنقید کے اعتبار سے یہ خطوط فکری جدلیات اور تہذیبی شعور کا بہترین اظہار ہیں۔

تہذیب، دین اور سیاست: مراسلت کے گہرے مضامین

علامہ اقبالؔ اور اکبر کی مراسلت کا دائرہ محض شاعری تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس میں تہذیبی، دینی، سیاسی اور عمومی مسائل بھی زیر بحث آئے ۔ مسلم معاشرت کی پسماندگی قوم کی بیداری اور خلافت عثمانیہ کا ساتھ جیسے مسائل بھی ان کے خطوط میں جگہ

جیسے تصورات اس کے شعور کا حصہ ہی نہیں رہے۔ ان کے نزدیک ایسی قوم جو محض امتحان کے آنے والے نتائج پر خوش ہو اور اخبار کے اشتہاروں کو کامیابی کا پیمانہ سمجھے وہ سیاسی آزادی تو پا سکتی ہے مگر فکری آزادی سے ہمیشہ کوسوں دور رہتی ہے۔ یہی فکری مایوسی ہمیں ان کے کئی خطوط میں جھلکتی دکھائی دیتی ہے جہاں وہ اخبار، تعلیم اور قوم کے غفلت کو مرکزی تنقیدی نشانے پر رکھتے ہیں۔ اکبر الہٰ آبادی کی اس صورتحال پر اقبال نے جوابی انداز میں کردار اور عمل کو مرکز فکر بنایا وہ اکبر کی فکری اداسی کے بارے میں جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:" بیداری تبھی آئے گی جب ہم خواب دیکھنا بند کریں اور عمل کا آغاز کریں۔ قومیں نعروں سے نہیں، کردار سے بنتی ہیں۔" (سید نذیر نیازی،2006ء، ص47)

اقبال کے اس فرمان میں ان کی پوری فکری میراث واضح طور پر نظر آتی ہے وہ فقط خواب دیکھنے کو ہی کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لیے قربانی، خودی کی بیداری، کردار اور عمل کو شرط اوّل قرار دیتے تھے۔ اقبال کے ہاں نعرے بازی یا تصوراتی شاعری قوموں کی تشکیل کا ذریعہ نہیں، بلکہ ان کے نزدیک:

"عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے"

بانگ درا۔(محمد اقبال،2021ء، ص305)

اقبال کی نظر میں ایسی قوم جو محض نعروں اور تقریروں پر اکتفا کرے، وہ اپنے حال میں گمراہ رہتی ہے۔ جبکہ اکبر کی طنز اور اقبال کی حکمت گویا اُردو ادب میں ایک فکری مکالمہ بن کر ابھرتی ہے، ایک طرف مایوسی کا عکس، دوسری طرف اُمید کا چراغ ہے۔

اقبال کا فکری دفاع اور خطابت کا رنگ

اقبال کے خطوط محض ذاتی جذبات یا خیالات کی ترسیل نہیں بلکہ ایک باقاعدہ فکری بیانیہ اور نظریاتی خطابت کا نمونہ ہیں۔ ان میں خطیبانہ رنگ، فلسفیانہ استدلال، اور فکری جرأت واضح نظر آتی ہے۔ ان کا ہر جملہ علمی وقار، داخلی ربط اور دلیل کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ وہ اپنے مکاتیب میں محض مدعا بیان نہیں کرتے بلکہ اپنے مؤقف کی بنیاد ایک مکمل فکری فلسفے پر رکھتے ہیں۔ بالخصوص اکبر الہٰ آبادی کے ساتھ ان کی مراسلت میں یہ رویہ زیادہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جہاں اکبر کی تحریروں میں تہذیبی کرب، طنز اور شعری ظرافت شامل ہوتی ہے، وہیں اقبال کا جواب بردباری، استدلال اور فکری گہرائی کا مظہر ہوتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں": زمانہ ایک مسلسل تغیر ہے، اور مسلمان کو چاہیے کہ وہ حال سے گزر کر مستقبل میں قدم رکھے۔" (سید نذیر نیازی،2004ء، ص112)

اکبر الہٰ آبادی لکھتے ہیں":اب نئی نسل خواب دیکھتی ہے، جاگتی نہیں۔ فلسفے میں اتنی گرمی ہے کہ دماغ تو گرم ہوتا ہے، دل نہیں"۔" (رشید احمد صدیقی، طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اکبر اپنے مخصوص طنزیہ مزاج سے فلسفہ اقبال پر بھی چوٹ کرتے ہیں۔ لیکن احترام کا دامن نہیں چھوڑتے، اکبر الہٰ آبادی کے ہاں اقبال کی خودی پر ایک مستقل فکری تحفظ موجود تھا وہ سمجھتے تھے کہ اقبال کی شاعری میں جو فلسفہ ہے وہ عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایک مکتوب میں نہایت شگفتگی سے اقبال سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں:" آپ کی خودی سمجھنے کے لیے تو فلسفہ کی کئی کلاسیں درکار ہیں، عام آدمی تو ابھی 'ہندی مسلمانوں' کا فرق ہی نہیں سمجھ پایا۔" (رشید احمد صدیقی،1965ء، ص55)

یہ طنز دراصل اقبال کی خودی جیسی گہری، مجرد اور تجریدی اصطلاح پر ایک تبصرہ تھا۔ اس سے عوام و خواص کی فکری تقسیم پر اکبر کی سنجیدہ تشویش بھی نظر آتی ہے۔ اکبر کے نزدیک ادب کا اصل مقصد وہی زبان ہونی چاہیے جو کہ عوام کو بیدار کرے، نہ کہ عوام کو الجھائے۔ اقبال اس اعتراض کا ہمیشہ احترام، فلسفیانہ استدلال اور وضاحت سے جواب دیتے تھے۔ جب اکبر الہٰ آبادی نے طنزیہ انداز میں اقبال کی خودی کے فلسفے کو عوام کے لیے پیچیدہ قرار دیا تو اقبال نے اپنی روایت کے مطابق نہایت سنجیدگی، شگفتگی اور خوش دلی سے جواب دیا:" اگر میری خودی مشکل ہے تو آپ کا مزاح بھی کم پیچیدہ نہیں۔ دونوں ہی قوم کی بیداری کا راستہ دکھاتے ہیں، صرف انداز مختلف ہیں۔(سید نذیر نیازی، 2006ء، ص103)

یہ مکالمہ دراصل اقبال کی علمی تواضع اور اکبر کے فن کے طنز کا مثبت و تعمیری اظہار ہے۔ وہ اکبر کی تنقید کو بغیر کسی تلخی کے قبول کیا کرتے تھے اور اسے فکری جدوجہد کا حصہ بناتے تھے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں عظیم شعرا اپنی فکری راہوں پر الگ ہونے کے باوجود بھی ملّت اسلامیہ کی بیداری کو مشترکہ مقصد مانتے تھے۔ چاہے ایک خودی سے بیدار کرتا تو دوسرا طنز و تہذیبی پاسداری سے جگاتا۔ یہ دو مختلف رجحانات کے درمیان برداشت، احترام اور فکری ہم آہنگی کا اظہار بھی ہے۔ ادبی تنقید کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو اس نوعیت کے مراسلت اُردو نثر کی جمالیات میں اضافہ کرتی ہے۔

سیاسی شعور: قومیت، خلافت اور آزادی کی بحث

اکبر اور اقبال کے مابین سیاسی شعور کی گہرائی ان کے مکتوبات میں نمایاں نظر آتی ہے۔ دونوں برطانوی استعمار کے سخت مخالف تھے لیکن ان کی مزاحمت کے طریقے الگ تھے۔ اکبر شعری طنز کے ذریعے سامراج پر حملہ کرتے تھے جب کہ اقبال نے خطبہ الہٰ آباد، فلسفہ اجتہاد اور فلسفہ خودی کے ذریعے عملی اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔ اکبر الہٰ آبادی اپنے خطوط اور اشعار میں اکثر قوم کی تعلیم کی سطحیت، سیاسی بیداری اور فکری پسماندگی کی کمی پر سخت تنقید کرتے تھے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:" ہماری قوم تو ابھی اخبار کے اشتہار اور امتحان کے نتیجے سے باہر نہیں نکلی، اس سے آزادی کی باتیں محض خواب ہیں۔" (رشید احمد صدیقی،1965ء، ص60)

اس خط میں اگر دیکھا جائے تو یہ محض طنز نہیں بلکہ ایک معاشرتی خود احتسابی اور گہری مایوسی بھی پائی جاتی ہے۔ اکبر کے نزدیک قوم کا بیشتر طبقہ سرکاری کامیابیوں، ظاہری خبروں اور تعلیمی نمبروں کی چمک میں ایسا کھو چکا ہے کہ تہذیبی وقار، خودی اور آزادی

تو مکاتیبِ اکبرؔ میں اکبرؔ ایک جگہ طنزیہ انداز میں قوم کی بے عملی اور "عمل سے دوری" کے موضوع پر رقمطراز ہیں": یہاں لوگ باتیں تو حکمت کی کرتے ہیں، مگر عمل کا وقت آئے تو کتاب بند کر کے تکیے کے نیچے رکھ دیتے ہیں۔"(رشید احمد صدیقی،1965ء،ص52)

یہ ایک سخت طنز ہے، لیکن اس میں قوم کی بے عملی پر بھرپور تبصرہ ہے۔ اقبالؔ جواباً فرماتے ہیں": اقوام کی تعمیرِ نو صرف تقریر سے نہیں، سچے عمل سے ممکن ہے — اور سچا عمل دل کی روشنی سے نکلتا ہے۔"(سید نذیر نیازی،2006ء،ص117)

یہ جواب نہ ہی صرف سنجیدہ ہے بلکہ اس میں وہ علمی وسعت بھی رکھتا ہے جو اختلاف رائے کو خوشگوار بناتی ہے۔ ادبی تنقید کی رو سے دیکھا جائے تو یہ مکالمہ "فکری تہذیب" کا اعلیٰ نمونہ ہے، جس میں دونوں شخصیات اختلافات کو ذاتی سطح پر کبھی نہیں لاتے بلکہ علمی دائرے میں ہمیشہ رکھتے ہیں۔

عصرِ حاضر کی روشنی میں خطوط کی معنویت

علامہ اقبال اور اکبر الہٰ آبادی کی مراسلت آج کے تعلیمی، سماجی اور فکری منظر نامے کے لیے نہایت موزوں مراسلتی مکالمہ ہے۔ آج جب فکری مکالمہ زوال کا شکار ہے۔ جذبات غالب آچکے ہیں اور ادب کو محض ماضی یا تفریح کا عنوان دیا جاتا ہے۔ ایسے میں ان دونابغہ روزگار تخلیق کاروں کے خطوط کا مطالعہ ہمیں تہذیب، برداشت، ادب اور سچائی کی راہ دکھاتا ہے۔ ان خطوط میں:

1. اختلافِ رائے کی شائستگی
2. تنقید میں خلوص
3. مزاح میں حکمت
4. فلسفہ میں عمل کا پیغام

نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف اکبر الہٰ آبادی ہمیں اپنے طنز و مزاح سے جھنجوڑتے ہیں تو اقبال ہمیں اپنے فلسفہ سے جگاتے ہیں۔ ان دونوں عظیم ہستیوں کے خطوط ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ ادب صرف تاریخ نہیں، مکالمہ صرف الفاظ کا تبادلہ نہیں، بلکہ تربیت ہے، دلوں کا اتصال ہے۔ علامہ اقبال اور اکبر الہٰ آبادی کہ درمیان مراسلت اُردو ادب کے ان عظیم گوشوں میں شمار کی جاتی ہے۔ جہاں نہ صرف زبان و بیان کا حسن جھلکتا ہے بلکہ گہری فکر و تہذیب بھی تکتی نظر آتی ہے جو محض الفاظ کے حد تک محدود نہیں رہتی بلکہ پڑھنے والے کی ذہنی اور روحانی تربیت کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ یہ خطوط دو ایسے عظیم ادیبوں کے درمیان خیالات کا تبادلہ نہیں بلکہ دو تہذیبی زاویہ ہائے نظر کا مکالمہ ہے۔ ایک طرف اکبر کا طنز و مزاح ہے تو دوسری طرف اقبال کا فلسفہ خودی اور روحانیت ہے۔

اکبر مغرب زدہ تعلیمی معاشرتی تبدیلی اور تہذیبی زوال پر طنزیہ سوال اٹھاتے تھے جو اپنے عہد کے تضاد کو ہنسی میں چھپا کر واضح طور پر دکھاتے تھے۔ مگر اس ہنسی میں ایک گہرا تہذیبی دکھ پوشیدہ ہوتا تھا۔ یہ خطوط ایک ایسے عظیم ذہن کی عکاسی کرتے (1965ء،ص51)

اقبالؔ نے اس کا جواب بھی نہایت تحمل اور گہرائی سے دیا": وہ خواب جس کی تعبیر عمل نہ ہو، فریب ہے۔ لیکن وہ خواب جو قوموں کو بیدار کرے، زندگی ہے۔"(سید نذیر نیازی،2006ء،ص108)

یہ مثال مراسلت کے اس اعلیٰ ذوق کی عکاس ہے جس میں دو مختلف اسلوب کے حامل مفکرین، اکبرؔ اپنی ظرافت کے ساتھ، اور اقبالؔ اپنی فکری سنجیدگی کے ساتھ، اُردو ادب کو صرف مکتوب نگاری کی صنف نہیں دیتے بلکہ اسے تہذیبی مکالمے اور فکری تناظر میں نئی بلندیوں تک لے جاتے ہیں۔ اقبالؔ کا اندازِ تحریر جہاں نئی تہذیب کی بنیاد رکھتا ہے، وہیں اکبرؔ کا طنز اس بنیاد کو روزمرہ زندگی کی سچائیوں سے جوڑتا ہے۔ یہ مراسلت ادب کو ایک نئی روش عطا کرتی ہے، جہاں ادبی مزاحمتی مکالمہ نکھر کر سامنے آتا ہے۔

مراسلت میں زبان و بیان کا فنی تجزیہ

اکبرؔ اور اقبالؔ کے خطوط اُردو زبان کی جمالیات، روانی، اور لطافت کی بہترین مثالیں ہیں۔ اکبرؔ کی زبان میں طنز، چوٹ، عام فہم الفاظ اور روزمرہ کی چاشنی ہے۔ اقبالؔ کی زبان میں استدلال، آرائش بیان اور فارسی تراکیب کا امتزاج ملتا ہے۔

اکبرؔ نے ایک خط میں لکھا": اب لڑکوں کو اتنا پڑھایا جاتا ہے کہ وہ سوچنے کے قابل نہیں رہتے۔ جو کچھ یاد کیا، وہ لکھا، پاس ہوئے، اور پھر وہی بات بھول گئے۔"(مولوی عبدالحق،1940ء،ص94)

اقبالؔ نے جواباً تحریر کیا": تعلیم اس وقت تک سودمند نہیں ہو سکتی جب تک اس کے ساتھ کردار اور ضمیر کی بیداری نہ ہو۔"(سید نذیر نیازی،2006ء،ص103)

ان جملوں میں زبان کا اختصار، فکری گہرائی اور معنوی وسعت موجود ہے۔ اُردو ادبی تنقید کی روشنی میں یہ خطوط زبان کی فصاحت، معنویت اور پیکر تراشی کے حوالے سے بے مثال کہے جا سکتے ہیں۔

مزاح اور فلسفے کا سنگم:

اکبرؔ اور اقبالؔ کی مراسلت اُردو ادب میں اس مقام پر کھڑی ہے جہاں طنز و فلسفہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے کھڑے ہیں۔ ایک طرف اکبرؔ طنز کے ذریعے فکر کو جگاتے ہیں، دوسری طرف اقبالؔ فلسفہ کے ذریعے جذبے کو بیدار کرتے ہیں۔ ان کے خطوط ایسے شاہکار ہیں جنہیں صرف ذاتی مکالمے کی حیثیت دینا ناانصافی ہوگی۔

ان خطوط کو صرف تاریخی دستاویز نہیں بلکہ ادبی تنقید، فکری مکالمہ اور تہذیبی شعور کا آئینہ سمجھنا چاہیے۔

فکری برداشت اور اختلاف رائے

اکبرؔ الہٰ آبادی اور علامہ اقبالؔ کی مراسلت کا ایک نمایاں جزیہ ہے کہ ان دونوں نے فکری اختلاف کے باوجود باہمی ادب و احترام کو کبھی پامال نہیں ہونے دیا۔ اکبر کے طنزیہ جملے بعض اوقات تیکھے ہوتے، مگر اقبالؔ انہیں علمی رواداری کے طور پر لیا کرتے۔ اقبالؔ کی فکری گہرائی بھی کبھی اکبرؔ کی حسِ مزاح کو پس پشت نہ ڈال سکی۔

ہیں۔ یہ خطوط نہ صرف ایک دور کی کہانی سناتے ہیں بلکہ آج کے انسان کے ضمیر کو جھنجوڑ کر بیدار کرتے ہیں یہی ان کی تاریخی اہمیت اور ادبی دوام کی واضح دلیل ہے۔

جدتِ موضوع

اس تحقیق کی انفرادیت کئی پہلوؤں پر محیط ہے جو درج ذیل ہیں:

1. نیا زاویہ تحقیق: اب تک اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال کے مکتوبات کو زیادہ تر شخصی، دوستانہ یا ذاتی نوعیت کے خطوط سمجھا گیا۔ موجودہ تحقیق ان مکاتیب کو محض ذاتی تعلق کی بجائے ایک مزاحمتی بیانیے کے طور پر دیکھتی ہے جو تہذیبی، سیاسی اور فکری جہتوں کو اجاگر کرتا ہے۔
2. طنز اور فلسفے کا تقابلی ربط: اکبر الہ آبادی نے طنز و مزاح کے ذریعے معاشرتی و تعلیمی مسائل کو نمایاں کیا، جبکہ اقبال نے اپنے مکاتیب میں فلسفیانہ انداز اور شعری لہجہ اپناتے ہوئے امت مسلمہ کی بیداری کی بات کی۔ یہ تحقیق پہلی بار دونوں کے خطوط کو ایک ساتھ رکھ کر یہ دکھاتی ہے کہ طنز اور فلسفہ کس طرح برصغیر کی فکری مزاحمت میں باہم یکجا ہو گئے۔
3. خفیہ فکری مکالمات کی بازیافت: ماضی کے مطالعات نے شاعری اور خطبات پر زور دیا، مگر خطوط کو بنیادی فکری ذریعہ نہیں سمجھا۔ یہ تحقیق ان خطوط کو برصغیر کے دو عظیم مفکرین کے ذہنی و فکری مکالمات قرار دیتی ہے، جنہوں نے فردی سطح پر شعور اور اجتماعی سطح پر فکری ربط کو پروان چڑھایا۔
4. ادبی تاریخ میں خلا کی تکمیل: سابقہ مطالعات نے خطوط کو یا تو الگ الگ دیکھا یا ان میں موجود شخصی جذبات پر توجہ مرکوز کی۔ اس تحقیق نے پہلی مرتبہ ان خطوط کو مزاحمتی دستاویزات اور تقابلی ادبی مکالمات کے تناظر میں دیکھا، یوں ایک اہم تحقیقی خلا کو پُر کیا۔
5. نئے محققین کے لیے معنویت: یہ تحقیق محض تاریخی یا ادبی مطالعہ نہیں بلکہ موجودہ دور کے محققین کو بھی یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ کس طرح فکری مزاحمت تخلیقی اور مکالماتی انداز میں پیش کی جا سکتی ہے۔ اس طرح یہ تحقیق ماضی کی فکری میراث کو عصر حاضر کے فکری مباحث سے مربوط کرتی ہے۔

المختصر اس تحقیقی مقالے کی موضوعاتی جدت اس پر منحصر ہے کہ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال کے خطوط کو پہلی بار مزاحمتی مکالمات کے زاویے سے پیش کیا گیا ہے، ان کی ادبی و فکری معنویت کو نئے تناظر میں واضح کیا گیا ہے۔ برعظیم کی فکری تاریخ کو مکالماتی مزاحمت نے ایک نئی جہت عطا کی ہے۔ یہی زاویہ اس تحقیق کو منفرد بناتا ہے۔ نئے محققین کے لیے اس میں گنجائش موجود ہے کہ وہ اس پر مزید تحقیق کر سکیں۔

حوالہ جات:

اقبال، محمد، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء)

برنی، سید مظفر حسین (مرتب)، کلیاتِ مکاتیبِ اقبالؔ، جلد اول، (لاہور: مکتبہ جدید پریس، 2016ء)

ہیں جو وقت کے ساتھ سوال کرتا ہے، متنبہ کرتا ہے اور سوچتا ہے اقبال ان خطوط کا جواب فکری، سنجیدگی، روحانی، روشنی اور عقلی دلائل کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ ان کا مقصد طنز کا رد کرنا نہیں بلکہ اس میں چھپی سچائی، گہرائی اور درد کو اُجاگر کرنا ہوتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مغربی علوم سے استفادہ کیا جائے لیکن اپنی تہذیبی جڑوں کو بالکل بھی ترک نہ کیا جائے۔ ان کے خطوط میں خودی، اجتہاد، تعلیم اور اسلامی معاشرت کے اصول مستقل موضوع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان دونوں تخلیق کاروں کی مراسلت اس بات کی روشن مثال ہے کہ فکری اختلاف باہمی عزت و احترام، علمی وسعت اور تہذیبی شعور کے ساتھ کیسے مثبت کردار ادا کرتا ہے اور ادبی سرمایہ بنتا ہے۔ یہ خطوط نہ صرف ادب میں خطوط نگاری کی بلند مثال ہیں بلکہ اُردو ادبی مکالمے اور تہذیبی شعور کے لیے ایک فکری دستور کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ ان سے مراد آج کے دور کے لیے کئی سطحوں پر سبق آموز ہے جب اختلاف انتشار میں بدل رہا ہو وہاں یہ خطوط گفتگو میں شائستگی سکھاتے ہیں، جب ادب صرف احتجاج بن جائے۔ وہاں یہ خطوط اصلاح اور فکری امتزاج بن جاتے ہیں۔ جب نوجوان مغرب کی چمک سے مرعوب ہوں، وہاں یہ خطوط تہذیب، خودی اور روحانیت کی یاد دلاتے ہیں۔ آخر میں اگر یہ کہا جائے کہ اکبر اور اقبال کی مراسلت اُردو تہذیب کی فکری میراث ہے جو آج بھی زندہ ہے تو یہ مبالغہ ہرگز نہ ہوگا۔

حاصل تحقیق

اکبر الہٰ آبادی اور علامہ اقبال کے مابین مراسلت کا مطالعہ اُردو ادب کی روایت میں ایک بصیرت افروز اور نادر تجربہ پیش کرتا ہے۔ یہ خطوط صرف ذاتی تبادلہ خیال یا ادبی اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ اُمّت مسلمہ کی تہذیبی بیداری، سماجی اصلاح اور فکری تشکیل کی شعوری کاوش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں انشائیہ اور فلسفہ، خطابت اور طنز، جذبہ اور استدلال سب اس طرح مربوط ہیں کہ پڑھنے والے کو نہ صرف ادب کا لطف حاصل ہوتا ہے، بلکہ فکری اور تہذیبی شعور کی روشنی بھی حاصل ہوتی ہے۔ ایک طرف اکبر جو مغرب کی ظاہری چمک دمک پر گہرا طنز کیا کرتے تھے، قومی انحطاط پر ایک تہذیبی درد کے ساتھ کلام کرتے ہیں تو دوسری جانب اقبال اجتہاد، فلسفہ خودی اور روحانی بالیدگی کے ذریعے اس انحطاط کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔

ان دو عظیم نابغہ روزگار تخلیق کاروں کی مراسلت میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ ادبی شائستگی، علمی توازن اور تہذیبی برداشت ہے۔ اختلاف رائے کو دشمنی کے بجائے فکری تنوع کا حسن سمجھا گیا۔ اکبر کا سوال مزاح میں ملفوف ہوتا تو اقبال کا جواب علم و یقین کے نور سے آراستہ ہوتا۔ دونوں کی تحریریں ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ مکالمہ کسی تہذیب کی روح ہے، اور ادب صرف اظہار نہیں ایک فکری ذمہ داری بھی ہے۔ موجودہ دور کے اخلاق کی بحران کی فکری پستی اور تہذیبی الجھنوں کے تناظر میں اقبال و اکبر کی مراسلت نہایت اہمیت رکھتی ہے ان خطوط میں ہمیں وہ عناصر بھی ملتے ہیں جو آج کے نوجوان کے لیے تعلیمی شعور، تہذیبی وقار اور فکری رہنمائی کی بحالی کا ذریعہ بن سکتے

صدیقی، رشید احمد (مرتب)، مکاتیبِ اکبرؔ، (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1965ء)
عبدالحق، مولوی ،(مرتب)، یادگارِ اکبرؔ، اکبر الہ آبادی، (دہلی: انجمن ترقی اُردو، 1940ء)
نیازی، سید نذیر (مترجم)، تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ، محمد اقبال، (لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، 2004ء)
نیازی، سید نذیر (مرتب)، مکاتیبِ اقبال، محمد اقبال، (لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، 2006ء)

References:

Barni, Syed Muzaffar Hussain (ed.). *Kulliyat-e-Makatib-e-Iqbal*, Vol. 1. Lahore: Maktaba Jadeed Press, 2016, pp. 226–227, 232, 294–297, 297, 417, 421, 461, 729.
Iqbal, Muhammad. *Bang-e-Dra*, in *Sharah Kulliyat-e-Iqbal*. Lahore: Maktaba Daniyal, Sheikh Ghulam Ali & Sons, n.d., p. 317.
Iqbal, Muhammad. Syed Nazir Niazi (ed.). *Makatib-e-Iqbal*. Lahore: Idara-e-Saqafat-e-Islamia, 2006, pp. 47, 103, 108, 117.
Iqbal, Muhammad. Syed Nazir Niazi (trans.). *Tashkeel-e-Jadeed Ilm-e-Kalam-e-Islami (The Reconstruction of Religious Thought in Islam)*, Lecture VI. Lahore: Idara-e-Saqafat-e-Islamia, 2004, p. 112.
Ilah Abadi, Akbar. *Yadgar-e-Akbar*, comp. by Maulvi Abdul Haq. Delhi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 1940, p. 91.
Ilah Abadi, Akbar. Rasheed Ahmad Siddiqi (ed.). *Makatib-e-Akbar*. Lahore: Majlis Taraqqi-e-Adab, 1965, pp. 51, 52, 55, 60.